قسط۔۱

عورت اسلام کی روشنی میں

اسدالعلماء مولانا سید اسد علی صاحب قبلہ ،الہٰ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ خَالِقِ الْعِبَادِ وَ الصَّلٰوۃُ عَلیٰ نَبِیِّہٖ مُخصِبِ الرَّشَادِ وَ عَلیٰ اَھْلِ بَیْتِہٖ مَصَابِیْحَ الظُّلَمِ و مَنارِ الْھُدیٰ۔

فلسفہ تکوین

جناب باری عزاسمہٗ سورۂ ''الذّاریات'' میں فلسفۂ تخلیق کے متعلق ارشاد فرماتا ہے (ومن کل شیءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ) ہر چیز کو ہم نے قاعدہ زوجیت کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ نہ تو انسان کی تخصیص کی اور نہ حیوان کی لفظ ''شئ'' استعمال کر کے یہ بتلا دیا کہ ہمارا یہ قانون ہمہ گیر ہے۔ کارگاہ عالم میں جس کاریگری پر نظر ڈالوگے یہی قانون نافذ پاؤ گے۔

خود خالق کی جانب سے اس راز کے انکشاف کے بعد کسی مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس حکم قطعی میں شک وشبہے کو دخل دے۔ ہاں اگر کارِ تکوین میں کوئی شریک کار ہوتا یا معاون ہوتا تو اس کے خلاف کہنے کی جرأت کر سکتا تھا لیکن جب ایسا نہیں ہے تو پھر بے چوں وچرا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ساری مشین قاعدہ زوجیت کے زیر نظر بنی ہے اور اس مشین کے تمام کل پرزے جوڑوں کی شکل میں وجود پذیر ہوئے ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے تحت پہلے تو یہ چیز قابل ذکر ہے کہ زوجیت ہے کیا چیز؟

مفہوم زوجیت

یہ تو ایک آشکار حقیقت ہے کہ رابطہ زوجیت شان وحدت کے خلاف ہے اور عالم وحدت میں قدم زوجیت نہیں پہنچ سکتا تو پھر یہ زمین کثرت کا شجر قرار پایا اور عالم کثرت کا مخلوق ہوا اور جب زوجیت کے لئے دوئی لازم قرار پائی تو ان دونوں کو کیسا ہونا چاہئے؟ ایسا ہونا چاہئے کہ ایک ان میں سے اثر انداز اور دوسرا اثر پذیر، ایک میں قوت تاثیر ہو دوسرے میں صلاحیت تاثر، ایک فیض رساں ہو دوسرا فیضیاب، اسی فعل و انفعال تاثیر و تأثر، فاعلیت و قابلیت کا نام رابطۂ زوجیت ہے۔ یہی رابطہ وتعلق مدار کائنات ہے اور اسی قطب پر عالم تکوین کی چکی چل رہی ہے، اسی تعلق سے تمام ترکیبات واقع ہوتی ہیں اور انھیں ترکیبات سے عالم ایجاد کا سارا کارخانہ چلتا ہے۔

طبقات زوجیت

اگرچہ خداوند تکوین کے ارشاد کے مطابق دنیا کے ذرے ذرے میں فاعل ومنفعل کا ربط پایا جاتا ہے لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ طبقات موجودات کے اختلاف کے لحاظ سے زوجی تعلق کی کیفیتوں میں بھی اختلاف پیدا ہوتا گیا ہے اگرچہ اصل زوجیت سب میں ایک ہے۔ ہر طبقۂ مخلوق جیسا بلند یا پست ہوتا گیا ہے ویسا ہی اس کا تعلق زوجیت بلند یا پست مصالح وفوائد کا حامل ہوتا رہا ہے۔

نوع انسانی میں رابطۂ زوجیت جن خصوصیات کا جامع ہے وہ جامعیت کہیں بھی نہ ملے گی اس کے بعد طبقۂ حیوانات میں اور کیفیت ہوگی اجسام نامیّہ میں اسکے فوائد و مصالح کچھ اور انداز سے ظہور میں آئیں گے اجسام غیر نامیّہ کچھ اور صورت ہوگی اور بسائط وعناصر میں کچھ اور انداز ہوگا اور یہ اختلاف فطری مقاصد کے تحت ہوگا یعنی چونکہ مقصود خلقت تمام طبقات موجودات میں مختلف ہے اس لئے شان زوجیت بھی مختلف ہوگی۔

زوجیت کوئی ناپاک رابطہ نہیں

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ حکمت صانع اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عالم تکوین قانون زوجیت کے ماتحت ظہور میں آئے اور ایسا ہی ہوا تو پھر عقلِ انسانی نہایت آسانی سے اس نتیجہ تک پہونچ سکتی ہے کہ جس طریقے کو اس نے اپنے کارخانے کے چلنے

کا ذریعہ قرار دیا ہو اور جن اصول کی بنا پر تکوینیات کی ساری عمارت کھڑی کی ہو کیا وہ کسی حیثیت سے بھی ناپاک اور ذلیل ہوسکتا ہے اور کیا کسی مخلوق کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جس قاعدے کے تحت وہ خود منزل وجود تک آیا اس کو حقیر و پست خیال کرے یقینا اپنی حکمت کی وجہ سے وہ ہمیشہ پاک وقابل عزت ہی رہے گا کارخانے کے مخالف اس کو گندہ اور قابل نفرت سمجھتے ہوئے اس سے اجتناب کیا کریں مگر خود کارخانے کا صانع یہ کبھی نہ چاہے گا کہ اس کا کاروبار بند ہوجائے لہٰذا نتیجہ نکلا کہ اس طریقہ کو مذموم قرار دینے والے خود شعور ادراک سے خالی ہیں اور اپنی حقیقت سے غافل ۔ اسی مقام سے معلوم ہوگیا کہ مسیحیین کا یہ نظریہ کس قدر دور از عقل ہے کہ مرد و عورت کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل اجتناب چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت میں کیوں نہ ہو اس وہم نے تجرد و دوشیزگی کو معیار اخلاق بنا دیا اور تاہّل کی زندگی کو حقیر و ذلیل بنا دیا لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو کارنامۂ اخلاق سمجھنے لگے اور قابل ستائش زندگی بس یہی رہ گئی کہ آدمی نکاح نہ کرے اور اگر کرے تو غرضِ نکاح پر عامل نہ ہو، ان تمام راہبانہ خیالات کا بے بنیاد ہونا واضح ہوگیا۔

نظامِ تمدن میں طرفین کی اہمیت یکساں ہے

ایک اور اصولی بات جو مفہوم زوجیت سمجھنے کے بعد اس آیت کے ذیل میں معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ فعل وانفعال دونوں نظام عالم کے بقاء وقرار میں یکساں دخل رکھتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک زیادہ ضروری ہو اور دوسرا کم کسی کی اہمیّت زیادہ ہو اور کسی کی کم مثلاً کوئی خیال کرے کہ فعل میں تو عزت معلوم ہوتی ہے اور انفعال میں ذلّت اثر اندازی میں رفعت وشرف ہے اور اثر پذیری میں پستی وحقارت تو یہ خود اس کے دماغ کی پستی اور عقل کی کمی ہوگی کیونکہ فاعل کا کمال جس طرح اس میں ہے کہ اس میں قوت فعل اور فاعلی کیفیتیں پائی جائیں تاکہ وہ زوجیت کے فعلی پہلو کا کام بخوبی انجام دے سکے اسی طرح منفعل کا کمال اس میں ہے کہ کیفیات انفعالیہ بدرجہ کمال اس میں پائی جاتی ہوں تاکہ وہ زوجیت کے انفعالی اور قبولی پہلو کی خدمت بوجہ اکمل ادا کرسکے کیونکہ ایک مشینری اپنا کام اسی وقت کرسکتی ہے جبکہ اس کا ہر ہر پرزہ اپنی جگہ پر رہ کر اپنے فرائض کی تکمیل میں منہمک ہو اور اگر کسی نے اپنے کام کو ناپسند کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑی اور دوسرے کی جگہ جا کر اس کے کام کو مناسب خیال کرتے ہوئے شروع کردیا ہو تو پھر مشینری یقینا فیل ہوجائے گی بالکل یہی حال جماعت ،قوم ، ملک کے نظام کا ہے ہر جگہ تھوڑی یا بہت بدنظمی کے ہاتھوں جو زوال و انحطاط رونما ہو رہا ہے اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ کچھ کارآمد پرزے کچھ لوگوں کی غیر معتدل اور نامنصفانہ مسابقت کی وجہ سے دور از کار افتادہ ہیں اور کچھ دوسرے مصرف کے پرزے نااہل کارکنوں کے ہاتھوں بے محل استعمال کئے جارہے ہیں۔

یہاں پر اتنا اور عرض کرتا چلوں کہ کارگاہ عالم میں اگرچہ فعل وانفعال تاثیر وقبول دونوں یکساں اہم اور ضروری ہیں لیکن بہرحال فعل کو قبول وانفعال پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے اور یہ علو وفوقیت ،غلبہ ،قوت ، اثر کے معنی میں ہے نہ اس معنی سے کہ فعل میں عزت ورفعت ہے اور انفعال وقبول میں پستی وحقارت کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فعل قوت وغلبہ کے بغیر نہیں ہوسکتا فاعلیت بجائے خود قوت واثر کو ظاہر کرتی ہے اور انفعالیت خود مغلوبیت کو ضعف کو بہ نسبت فاعل کے ظاہر کرتی ہے لہٰذا جو فاعل ہے اسی لئے کہ وہ اس پر غالب ہے ، طاقتور ہے تاب وتواں رکھتا ہے اور جو منفعل ہے اسی لئے کہ مغلوب ہے ، کمزور ہے متأثر ہونے کی استعداد رکھتا ہے معلوم ہوا کہ لفظ فاعل خود قوت پر دال ہے اور لفظ منفعل خود ضعف پر ورنہ ضرورت و اہمیت عزت وشرف کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اگر فعل قوت فاعلی کا مظہر ہے تو انفعال قوت قبول کا مظہر ہے اگر اثر اندازی کے لئے قوت درکار ہے تو اثر پذیری کے لئے بھی قوت درکار ہے ہاں نوعیت وکیفیت قوت میں تفاوت یقینا ہوگا اور یہ تفاوت وفرق بھی پر از حکمت وصواب

ہے کیونکہ فاعل و منفعل دونوں کی قوت اگر ایک ہی نوعیت و کیفیت کی ہوگی تو اصل مقصد ہی حاصل نہ ہو سکے گا نہ فاعل اپنے فعل میں کامیاب ہوگا نہ منفعل اپنے قبول و تاثر میں۔ جس طرح وقوع فعل کے لئے فاعل و منفعل دونوں کا وجود ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کی قوت اپنی اپنی نوعیت میں مختلف ہو فاعل میں اگر قوت تاثیر ہو تو منفعل میں قوت تاثر ہو اگر ایسا نہ ہوگا تو فعل مقصود واقع ہی نہ ہوگا جیسے اگر کپڑے میں وہی سختی ہو جو سوئی میں ہے تو کیا کارِ خیاطت انجام پا سکتا ہے اور اگر زمین بھی ویسی سخت ہو جیسے ہل کا لوہا تو کیا کھیت تیار ہو سکے گا اور کھیتی ممکن ہوگی اسی طرح مرد و عورت دونوں میں اگر ایک ہی طرح کی شدت، صلابت تحکم ہو تو کیا مقصد زوجیت حاصل ہو سکتا ہے اور نباہ ممکن ہے لہٰذا مناسب صورت یہی ہے کہ زوج فاعل میں غلبہ، شدت، تحکم ہو جس کو دوسرے لفظوں مردانگی یا رجولیت کہئے اور زوجِ منفعل کے لئے لازم ہے کہ نرمی، نزاکت، قبولیت ہو جس کو نسائیت یا انوثیت کہئے کیونکہ کامیابی کا انحصار اسی صورت میں ممکن ہے۔ ہاں جو لوگ اس راز سے واقف نہیں وہ یا تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ فاعل بالذات قابل عزت ہے اور اس کا مقابل بالذات ذلیل و حقیر ہے اور اس نظریہ کے تحت جو کچھ اقدامات ہونے چاہئے وہ ان سے سرزد ہوا کرتے ہیں۔

دورِ جاہلیت کا یہ طریقہ کہ ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی تو رنگ فق ہوگیا، اتنا رنج و غم ہوا کہ منہ کالا پڑ گیا اور زہر کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس خبر بد سے وہ لوگوں کو منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہا۔ ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے کیونکہ لڑکی باعث ننگ و عار ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ اس کو ذلت اٹھا کے زندہ رہنے دے یا زندہ ہی اس کو زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو تو کس قدر برا خیال تھا۔ خداوند عالم اس خیال خام کو سورہ نحل میں بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ۔ یا مسیحیین کا یہ خیال کہ ''اس کے لئے کچھ اور برائی کے اثبات کی ضرورت نہیں اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک اور بد ہونے کو کافی ہے'' یا یہ نظریہ کہ ''اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہئے اس کو دائماً کفارہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ گناہ کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یا اسی طرح کے دیگر نظریات جن کا بیان بہ تفصیل آئے گا اسی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہیں۔ اور یا صنف منفعل میں بھی وہی صفات ڈھونڈھتے ہیں جو مردوں ہی کے لئے زیبا ہیں۔ لیکن یہ درحقیقت تکون کائنات سے جنگ کرنا ہے۔

حکمت زوجیت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ قانون زوجیت ہر چیز میں نافذ ہے لیکن اغراض و مقاصد ہر جگہ ایک نہیں کہیں اہم ہیں اور کہیں غیر اہم خداوند عالم نے حیوانات میں زوجیت بقاء نسل اور توقیر نسل کی وجہ سے رکھا ہے۔ محبت وغیرہ کے تعلقات حیوانات کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں جن کا مقصد حفاظت اور پرورش ہے لیکن انسان کے لئے کچھ اور زیادہ اہم اغراض و مقاصد ہیں جن پر اس نے اپنے کلام میں مختلف موقعوں پر روشنی ڈالی ہے سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ گویا مرد کاشتکار ہے، عورت زمین اور نطفہ تخم اور کوئی صحیح الدماغ کاشتکار یہ کبھی نہیں پسند کرے گا کہ اپنا قیمتی بیج ایسی جگہ ڈال دے جہاں اگنے کی امید نہ ہو۔ اسی لئے خدا نے جلق اور لواطہ کو قطعی حرام کر دیا عورت کے ساتھ لواطہ بھی ممنوع ہے یہاں جو کہا گیا کہ جس طرح چاہو آؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ترکیب تمہیں پسند آئے مگر آگے ہی کی طرف کیونکہ ہر سوراخ کو یکساں نہ سمجھنا چاہئے مرد عورت کے عضو مخصوص میں خدا نے ایک خاص قدرتی نرمی، گرمی امانت رکھی ہے جو خود سیکڑوں امراض کی دوا ہے۔

اس آیت کی شان نزول میں فخر الدین رازی نے اپنی

تفسیر کبیر میں جو روایت لکھی ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خدا کا مقصد ''جدھر سے چاہو آؤ'' سے یہ ہے کہ آگے کی طرف جس ترکیب سے چاہو جماع کرو۔ نہ یہ کہ جہاں چاہو جماع کرو جیسا کہ بعض حضرات سمجھے ہیں۔ وہ روایت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ خلیفہ ثانی ایک دن جناب رسالت مآبؐ کی خدمت بابرکت میں پریشان تشریف لائے اور بیچارے فرمانے لگے کہ حضور میں تو ہلاک ہوا آنحضرت نے فرمایا آخر کیا ہوا فرمانے لگے کہ میں نے پشت کی طرف سے آگے کی جانب میں جماع کیا آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور خدا نے یہ آیت کہ ''تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہی تو ہیں'' نازل فرمادی۔

بہرحال اس آیت میں جناب باری نوع انسانی کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ زوجین میں کھیتی اور کسان کا سا تعلق ہے۔ صیانیات کے نقطۂ نظر سے یہ ایک بہترین تشبیہہ ہے جو مرد و عورت کو دی جاسکتی ہے اس تشبیہہ نے یہ بتایا کہ انسانی زوجین کا تعلق حیوانات اور دیگر زوجین سے مختلف ہے وہاں تو مقصد صرف بقاءِ نسل ہے کیونکہ مقصد خالق یہ ہے کہ ایک معین وقت تک یہ نسلیں باقی رہیں اور اس غرض کے پورا کرنے کے لئے صنفی میلان فطری طور پر رکھا گیا ہے۔ لیکن انسان کے یہاں بقاءِ نسل تو خیر مقصود ہی ہے۔ اسی لئے فطری جاذبیت ودیعت کی گئی ہے اس کے ماسوا مذکورۂ بالا تشبیہہ نے بتایا کہ جب مرد کسان ہوا تو کسان صرف تخم افشانی کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا فرض پانی دینے کھاد مہیا کرنے رکھوالی اور نگرانی کرنے کا بھی ہے اسی طرح عورت بھی وہ زمین نہیں ہے کہ جس میں چلتے پھرتے کوئی بیج پھینک جائے اور وہ ایک خودرو درخت سامنے کھڑا کردے بلکہ وہ اس وقت بارور ہوتی ہے جب اس کا کسان اس کی داشت و نگرانی کا پورا بار سنبھالے سرد و گرم سے اس کو بچائے اس کی تربیت کا سامان فراہم کر کے جہاں اپنے احکام اس پر عائد کرتا ہے وہاں اپنے قوی شانوں پر بھی کچھ اس کے حقوق کا بار محسوس کرے۔

اس تشبیہہ میں اس مطلب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے کسان کے لئے تخم ریزی کے زمانے معین ہیں اور ہر وقت تخم پاشی کے لئے مناسب نہیں ہوتا اسی طرح انسان کو باہمی اختلاط کے لئے لحاظ اوقات ضروری ہے۔ مذہب اسلام میں جہاں تمام امور زندگی کے لئے منضبط اصول موجود ہیں وہاں اس شعبے کے واسطے بھی نہایت محکم وہموار قوانین بنائے گئے ہیں۔ ہاں عمل کی ضرورت بیشک ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ بغیر عمل کے کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اسی سورہ بقرہ میں جناب باری زوجیت کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ یعنی عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم بھی ان کے لئے گویا لباس ہو، لباس باعث راحت ہوتا ہے معلوم ہوا کہ رابطۂ زوجیت کا مقصد یہ ہے کہ شوہر بیوی کے لئے اسباب راحت فراہم کرے اور بیوی اپنے شوہر کے لئے سامان آرام مہیا کرے۔ عورت اپنے مرد کے لئے لباس یوں بنے کہ دن بھر گردش وکاوش کے بعد جب گھر واپس آئے تو سکون کی دنیا میں قدم رکھے انس ومحبت کی عروس سے ہم آغوش ہو رنج وغم کے نقوش مٹیں، سکون وراحت کا نقشہ پیش نظر آئے کیونکہ انسان کے لئے نہ یہی مناسب ہے کہ اس کی چندروزہ زندگی غم ہی سے برابر دوچار رہے اور نہ یہ قرین حکمت ہے کہ بالیں شادمانی پر ہمیشہ مسرور رہے۔ اور مرد اپنی زوجہ کے لئے باعث راحت یوں ہو کہ اس کی ضروریات کی تمام چیزوں کو باہر سے گھر تک پہونچا دے نان ونفقہ کا خیال رکھے لباس و دیگر ضروریات کا انتظام کرے، اتنا پیسہ کمائے کہ اس کو اور اس کے بچوں کو تکلیف نہ ہو اس کو شریک رنج وراحت سمجھے نہ فقط حامل تکلیف وصدمات۔

اس آیت نے بتلایا کہ رابطۂ زوجیت کا مقصد صرف شہوانی تعلق حیوانات کی طرح نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ انس اور لگاؤ کا تعلق ہو ایک دوسرے کے رازدار ہوں ان میں ایسی وابستگی ہو جیسے لباس وجسم میں ہوتی ہے لباس انسان کو سرد وگرم

سے بچاتا ہے تو عورت کو مرد کے لئے اور مرد کو عورت کے لئے ایسا ہونا چاہئے، کہ ایک دوسرے کو سرد و گرم سے بچانے والا ثابت ہو لباس انسان کے لئے ساتر ہوتا ہے چھپانے کی چیزوں کو لباس ہی سے چھپایا جاتا ہے لہٰذا مرد پر لازم ہے کہ عورت کی ان باتوں کو ظاہر نہ ہونے دے جو باعث شرم ہوں اور عورت پر فرض ہے کہ مرد کی ان فروگذاشتوں پر پردہ داری کرے جن کو پردے ہی میں رہنا چاہئے ۔ لباس انسان کے لئے باعث زینت بھی ہوتا ہے لہٰذا مرد کو اپنے اخلاق و کردار حسن عمل و حسن ذات کی وجہ سے عورت کے لئے محلِ فخر بننا چاہئے اور عورت کو اپنی خوش سلیقگی خوش خلقی کے سبب سے مرد کی عزت کا سرمایہ بننا چاہئے ۔

لباس انسان کے ظاہری عیوب کا پردہ دار ہوتا ہے اس کو انسان سے ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے وہ انسان کی رفعت و دنات کا آئینہ دار ہوتا ہے اگر لباس پاکیزہ ہے تو عزت کی نگاہ پڑتی ہے اور اگر کثیف ہے تو لوگ حقیر آدمی خیال کرتے ہوئے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں خدا نے طرفین کو لباس کہہ کر یہ بتایا کہ تم تاج کرامت اور خلعت شرافت پہن کر ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی بنو جیسے لباس ہوتا ہے اس کی سچی مثال اور روشن تر مثال کہ زوج زوجہ کے لئے باعث فخر ہو اور زوجہ زوج کے لئے محل ناز ہو، امیر المومنینؑ اور سیدہ عالمؑ ہیں نہ فاطمہؑ کے لئے علیؑ کے سوا کفو تھا نہ علیؑ کے لئے فاطمہؑ کے سوا ہر ایک دوسرے پر جس قدر بھی فخر کریں کم ہے ۔ لیکن یہ سب کچھ وہاں ہے جہاں مرد اپنے دائرۂ عمل میں رہ کر اپنے فرائض انجام دے اور عورت اپنے دائرۂ عمل میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے ۔ نہ وہ اچھل کر مرد کے دائرے میں قدم رکھنے کی کوشش کرے اور نہ مرد پست خیالی کے تحت عورت کے میدان عمل میں داخل ہونے کا خواہشمند ہو اور جہاں یہ حدود قائم نہ رہے اور مرد و عورت مل کر دونوں کمانے گئے اور گھر کا کام بازار اور ہوٹل کا رہین منت بن کر رہا وہاں یہ شعبۂ تمدن خوب برباد ہوا حالانکہ تمدن کے شعبوں میں جو اہمیت دوسرے شعبوں کی ہے وہی اس کی بھی ہے اور تمدنی زندگی کے لئے یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنے دوسرے شعبے ضروری ہیں ۔ انھیں مقاصد پر حکیم مطلق سورہ روم میں روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ''وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے ساتھ چین کی زندگی بسر کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار و محبت پیدا کیا اس میں شک نہیں کہ اس میں غور کرنے والوں کے واسطے قدرت خدا کی یقینی بہت سی نشانیاں موجود ہیں ۔ واقعی بالکل سچ ہے کہاں کا مرد کہاں کی عورت اور پھر دونوں کا نکاح ہوتے ہی ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ ماں باپ اعزاء و اقربا سب ایک طرف اور وہ ایک طرف اور کیوں نہ ہو انسان فطرۃً طالبِ سکون ہے اور اس کے اعضا و جوارح اس سے تقاضائے راحت کیا کرتے ہیں بچپن میں آغوش مادر میں اس کے عیش و آرام کا خزانہ منجانب قدرت ودیعت ہے، اور جوانی اور اسکے بعد کے زمانوں کے لئے عورت کی ذات میں سرمایۂ سکون و راحت اور عورت کی فطری خدمت یہی ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اور ہنگامۂ عمل کی مشقتوں بھری دنیا میں سکون و راحت کا ایک گوشہ مہیا کرے خلّاقِ کائنات نے جو عورت کی فطرت میں نرمی، نزاکت، قبولیت و اطاعت دی ہے وہ اسی لئے اس سے ایسے کام لینا تھے جن کے لئے انھیں صفات کی ضرورت تھی اور جب عورت کے آئینہ میں مردانگی صفات کا جلوہ دیکھنے کی سعی لا حاصل کی جائے گی تو اس کی فطری خدمت کے فریضہ سے اس کو سبکدوش تصور کرنا ہوگا ۔

رابطۂ زوجیت کا ایک اور مقصد

انسان میں رابطۂ زوجیت کا ایک اور مقصد خالق کائنات کا یہ ہے کہ اس تعلق کے تحت جو اولاد ہو اس کے ساتھ بھی ایک گہرا روحانی لگاؤ ہو یہ حکمت حیوان کے یہاں مطلوب و مقصود نہیں فطرت نے اس کا انتظام یوں کیا ہے کہ انسان اور خصوصاً عورت

کی جسمانی ساخت اور حمل و رضاعت کی طبیعی صورت میں خالق نے کچھ ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اولاد کی محبت اس کے رگ و پے میں پیوست ہو جاتی ہے اس کو اپنا دکھ درد گوارا ہے مگر فرزند کو ذرا دیر بھی محن وآلام میں نہیں دیکھ سکتی اور کیوں نہ ہو جن تکالیف کا تحمل کرنے کے بعد وہ لخت دل کو اپنی آغوش میں دیکھتی ہے اس کا تقاضا ہی یہی ہے خداوند عالم سورہ احقاف میں فرماتا ہے (وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَا ناً حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھاً وَّ وَضَعَتْہُ کُرْھًا وَحَمْلُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْراً) مولود کی ماں نے تکلیفیں اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور جھٹکے اٹھا کر پھر اس کو جنا اور حمل دودھ بڑھائی میں کم از کم تیس مہینے صرف ہوئے یہی تو بات تھی جس کی وجہ سے ہم نے اس انسان کو والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم تاکیدی دیا۔ اور پھر سورہ لقمان میں ارشاد باری ہوتا ہے وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْناً عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصَالُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ) ماں نے اس کو جھٹکے پر جھٹکے اٹھا کر پیٹ میں رکھا پھر وہ دو سال کے بعد ماں کی چھاتی سے جدا ہوا اسی وجہ سے ہم نے اس انسان کو تاکید کی کہ میرا بھی شکر کر اور والدین کا بھی شکر یہ ادا کر میں پیدا کرنے والا ہوں اور یہ پرورش کرنے والے ہیں۔

اسی طرح مرد بھی اولاد کے لئے معیشت فراہم کرنے میں قسم قسم کی ایذائیں سہتا ہے لیکن چونکہ ماں کا حصہ ایذاؤں اور تکلیفوں میں زیادہ ہے اس لئے اس کی تکلیف کا بالخصوص تذکرہ کیا اور حق زیادہ قرار دیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر ماں باپ دونوں ایک ہی وقت میں کسی کام کو کہیں تو ماں کے حکم کو مقدم رکھو۔ اس محبت کا تذکرہ پروردگار عالم سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے (زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھْوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِیْنِ) کہ عورتوں اور بچوں کی محبت انسان کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اس سے پتہ چلا کہ رابطۂ زوجیت کے تحت اولاد کی فطری محبت ماں باپ کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس کا پرحکمت نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نسبی اور سسرالی رشتے قائم ہوتے ہیں اور ان رشتوں سے خاندان اور خاندانوں سے قبائل اور قبائل سے قومیں وجود پذیر ہوتی ہیں اور ان کے باہمی مفید تعلقات سے تمدن ظہور میں آتا ہے اسی راز کو قرآن مجید منکشف کرتا ہے۔ سورۂ فرقان میں ارشاد گرامی ہوتا ہے۔ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَراً فَجَعَلَہٗ نَسَباً وَّ صِھْرًا۔ یعنی وہی پرودگار ہے جس نے بشر کو پیدا کیا اور اس کے لئے نسبی و سسرالی رشتے قرار دیئے۔

اقوام وقبائل کے وجود کا حال یوں بیان کرتا ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا) لوگو ہم نے تم کو نر و مادہ سے خلق کیا اور تم لوگوں کو اقوام وقبائل پر تقسیم کر دیا تا کہ شناخت میں سہولت ہو۔

لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہے جب کہ قدیم تربیت کے مطابق اولاد کی تربیت ہو۔ ورنہ جدید طریق تربیت میں تو نہ ماں باپ کو بچہ پہچانتا نہ ماں باپ بچہ کو پہچانتے نہ وہ ماں اس کے لئے جاگی اور نہ بچہ اس کے لئے رویا یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا اور ملک کا بچہ قرار پایا۔ اس کی زندگی اور موت دونوں فی سبیل الملک رہی۔

زوجیت کا ایک اور اہم مقصد

اس ازدواجی تعلق کے ماتحت یہ پرحکمت نتیجہ ظہور میں آتا ہے انسان کی گاڑھی کمائی اور محنتوں کے ثمرات کا صحیح مصرف بھی نکل آتا ہے کیونکہ تقاضائے فطرت یہ ہے کہ اگر وہ کچھ چھوڑے تو اپنی اولاد کے لئے اور دیگر عزیزوں کے لئے جن کے ساتھ وہ تمام عمر خونی اور رحمی رشتوں میں بندھا رہا ہے۔ نہ یہ کہ خاص اپنے زن و فرزند محروم رہیں اور دوسرے لطف اندوز ہوں۔

اسلام میں عورت کے حقوق

انسانیت اور خصوصاً عورت کے تاریک دور کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ پتہ چلے گا کہ اسلام نے عورت کو کیا دیا۔ اور انسانیت کو کتنا بلند کیا۔ انسانی تمدن کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں عورت کا وجود ننگ و ذلت و گناہ کا وجود تھا بیٹی کی پیدائش باپ کے لئے ننگ و عار تھی قرآن اس ذہنیت کی نہایت بلیغ انداز میں ترجمانی کرتا ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد گرامی ہوتا ہے کہ وَاِذَا

بُشِّرَ اَحَدُھُم بِا الْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّاوَ ھُوَ کَظِیْمٌ یَتَوَارٰیٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْئِ مَا بُشِّرَ بِہٖ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسّہٗ فِی التُّرَابِ) لڑکی کی پیدائش کی ناخشگوار خبر سنتے ہی رنگ فق ہوگیا۔منہ کالا ہوگیا۔غصہ کا گھونٹ پی پی کر رہتا ہے۔ کسی سے آنکھیں چار کرنے کو دل نہیں چاہتا ۔ منہ چرائے پھرتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ننگ وعار کے بولتے ثبوت کو بادلِ ناخواستہ رکھے رہے یا زندہ درگور کردے۔یعنی جن سیہ کاروں کو خون ناحق پر شرم نہ آئی زنا کاری وغارت گری سے نہ جھجکے فتنہ پرداز وشرانگیزی پر فخر ومباہات کرتے رہے ظلم وغضب کو کارنامہ شجاعت سمجھتے رہے۔صنم پرستی کو متاع انسانیت جانتے رہے ان کو شرم آئی تو نعمت خداوندی اور امانت الٰہی پر جس کی صورت گری کرنے والا اور صحن وجود میں لانے والا اور رزق کا سامان والا اور تکمیل مراحل کرنے والا اور ان لوگوں سے یہ بات بعید از قیاس نہ تھی۔کیونکہ یہ لوگ اپنی اولاد کو اکثر بخوف فقر وتنگدستی قتل کردیا کرتے تھے اسلام نے اس وحشیانہ حرکت سے روکا اور کہا کہ ایسا نہ کرو خدا تمہارے لئے اور ان کے لئے ضامن رزق ہے قرآن میں سورۂ انعام اور سورۂ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔جہلا تو درکنار علماء میں یہ سوال درپیش تھا کہ عورت آیا انسان ہے بھی یا نہیں اور خدا نے اس کو روح بخشی ہے یا نہیں ۔ ہندو مذہب میں عورت وید کی تعلیم حاصل نہیں کرسکتی تھی ۔ بودھ مت میں عورت سے اختلاط وتعلق رکھنے والے کے واسطے نروان کی کوئی صورت نہ تھی۔مسیحیت اور یہودیت کی نگاہ میں عورت ہی انسانی گناہ کی بانی اور ذمہ دار تھی ۔ یونان جو کہ گہوارہ تہذیب و مدنیت اور مرکز عقل ودانائی تھا وہاں بھی عورت کے لئے تعلیم کے دروازہ بند تھے اس بے چاری کے لئے نہ حقوق مدنیت تھے نہ تہذیب وثقافت کیونکہ لونڈی کا کام صرف خدمت کرنا ہوتا ہے اس کو تعلیم وتمدن سے کیا سروکار یہ حال صرف یونان کا نہ تھا بلکہ تہذیب انسانی کے جتنے مرکز تھے جیسے روم ومصر ایران وچین وغیرہ سب کا قریب قریب یہی حال تھا۔

صدیوں کی مظلومی ومحکومی کے برتاؤ نے خود عورت کے ذہن سے بھی عزت نفس کا احساس مٹادیا تھا۔وہ بھول کر بھی یہ خیال نہ لاتی تھی کہ انسانوں کی دوسری صنف کی طرح اس کے لئے بھی کوئی عزت کا مقام ہونا چاہئے اور جس طرح دوسروں کے مختلف حقوق قائم ہیں اس کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں بیچاری جس حال میں تھی اسی حال میں قانع تھی بلکہ شکر گزار تھی۔مرد اس پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتا تھا اور وہ ستم سہنے کو اپنا فریضہ جانتی تھی۔ مسلسل غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کی وجہ سے اس کی ذہنیت اتنی پست ہوگئی تھی کہ وہ مرد کو''آقا'' سمجھنے پر نازاں تھی اور فخر کے ساتھ اپنے کو شوہر کی''داسی'' کہتی تھی یعنی کنیز، وہ شوہر کو آقا ہی نہیں بلکہ اپنا معبود اور دیوتا سمجھتی تھی۔

عورت اور دورِ جاہلیت

زمانہ جاہلیت کا یہ حال تھا کہ صلبی اولاد محروم اور لے پالک حقدار میراث ہوتے تھے اس ماں کے دل سے پوچھئے کہ کیا گزرتی ہوگی جب اس کے بچے اپنے باپ کے ترکے سے محروم رہتے ہوں گے اور غیر اس پر متصرف ہوتے ہوں گے ۔ یہ نامناسب طریقہ رائج رہا۔یہاں تک کہ اسلام کی روشنی نے اس اندھیر گردی کو کافور کیا یہ قانون الٰہی آگیا کہ تمہارے لے پالک تمہارے فرزند نہیں ہیں سورۂ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے۔(وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَ کُمْ اَبْنَاءَ کُمْ) عہد جاہلیت میں خاص زوجہ کو کچھ نہیں ملتا تھا بچوں کو ذکور ہوں یا اناث محروم رکھا جاتا تھا میراث کے حقدار تھے تو کون ۔صرف جوان ۔ بھائی ہوں یا فرزند جو کہ میدان کارزار میں صف آرائی کرسکتے ہوں اور مال غنیمت اکٹھا کرنے پر قادر ہوں ان کا یہ مقولہ تھا **(لایرث الامن طاعن بالرماح وزاد عن الحوزۃ وحاز الغنیمۃ)** جو شمشیر زنی اور نیزہ بازی کرسکتا ہو دشمنوں کو دور کرسکتا ہو مال غنیمت اکٹھا کرسکتا ہو وہ ہے میراث کا حقدار۔گویا نبرد آزمائی اور جنگجوئی اس قدر مستحسن اور ضروری صفات تھے کہ جن کو فطرت نے اس قابل نہ کیا ہو وہ بھی کسی رعایت اور حق کے سزاوار نہیں۔

پھر جو اس قابل ہوں لیکن ان اقدامات سے کنارہ کش ہوں کس قدر لائق ملامت ہوں گے۔ اسلام اور اس نے اس حق تلفی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے (لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَفْرُوضاً) ماں باپ اور اقارب جو کچھ کم یا زیادہ چھوڑ جائیں اس میں مردوں اور عورتوں دونوں کا واجبی حق ہے۔ دیکھئے کہ اسلام کے قبل عورت کی منزل کیا تھی اور اسلام نے اس کو کیا درجہ دے دیا دور جاہلیت میں ایک حلف کا اصول بھی رائج تھا وہ یوں کہ کسی نے کسی سے بر بنائے محبت ورفاقت یہ اقرار کرلیا کہ میرا خون تیرا خون، میری بربادی تیری بربادی، میں تیرا وارث اور تو میرا، میں تیرے عوض طلب کیا جاؤں اور تو میرے بدلے، بس اتنے عہد پر دونوں میں سے جو بھی پہلے لقمۂ اجل بنا۔ دوسرا اس کے مال میں حقدار ہوا۔

وراثت بربنائے محبت

زمانہ جاہلیت میں اگر طبقہ مہاجرین کے دو افراد میں باہم خلوص ومحبت کا رشتہ پیدا ہوگیا تو ایک مہاجر دوست دوسرے مہاجر کا وارث ہوگا اور ترکہ پائے گا اگرچہ باہم کوئی قرابت نہ ہو اور عزیز قریب اگر مہاجرین میں سے نہیں ہے تو اس کو کچھ نہ ملے گا حضور ختمی مرتبت نے جب صحابہ کے درمیان بھائی چارہ کیا اور ایک دوسرے کو بھائی بنایا تاکہ دو ہم خیالوں میں مزید قربت ہوجائے اور جو اپنے بھائیوں سے بچھڑ گئے تھے ان کو بھائی مل جائیں تو اس کو بھی سبب وراثت قرار دے دیا گیا لیکن دین اسلام نے اس کو بھی نقص سمجھ کر توڑا اور سورۂ انفال میں ارشاد کیا گیا کہ (وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ) یعنی خونی عزیزوں میں بعض کو دوسروں پر برتری حاصل ہے۔

ایک اور واقعہ جوان مراسم باطلہ کا شاہد ہے ابن عباس نے اس کو نقل کیا ہے کہ عہد رسالت میں اوس بن ثابت انصاری کا انتقال ہوا اور انھوں نے ایک زوجہ اور تین بیٹیاں چھوڑیں ان کے دو چچازاد بھائی آئے جو ان کے وصی تھے ''سوید'' اور ''عرفجہ'' نام تھا اور سارا مال لیکر چل دیئے اور بے چاری سوگوار شوہر دیکھتی رہ گئی بارگاہ کرم میں حاضر ہوئی عرض حال کیا ارشاد ہوا کہ گھر واپس جائیں اس معاملہ میں حکم باری کا منتظر ہوں جیسا کہ حکم ہوگا تجھ کو اطلاع دی جائے گی فوراً یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ (لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَفْرُوضاً) یعنی مردوں کا بھی والدین اور اقارب کے ترکہ میں حصہ ہے اور عورتوں کا بھی اور یہ حق واجب الادا ہے اسی وقت سرچشمہ کرم نے دونوں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس کے مال کے قریب مت جانا سب اس کے وارثوں کو ملے گا۔

اسی پر اکتفا نہ کیجئے اور ملاحظہ فرمایئے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر حقوق دیئے ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد اگر خدانخواستہ عورت سے ناراض ہوگیا تو اس نے قسم کھالی کہ میں اس کے قریب نہ جاؤں گا۔ اب نہ یہ اس سے مقاربت کرتا نہ وہ دوسرا عقد کرسکتی بیچ میں لٹکی ہے۔ مقصد صرف اس کو تکلیف دینا ہے اور کچھ نہیں کیونکہ وہ مطلقہ ہے نہ شوہر دار ہی ہے اسلام میں بھی کچھ دنوں تک اسی رسم پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ مگر خدا نے اپنے پسندیدہ دین میں ایسی بات پسند نہ کی اور چار مہینے کی مہلت غور وفکر کے لئے دے دی۔ عورت کو چاہئے کہ ایسی صورت پیش آنے پر حاکم شرع کی جانب رجوع کرے وہ اس کو چار مہینے کی مہلت دے گا اور پھر مرد کو مجبور کرے گا کہ چاہے کفارہ دے کر بی بی سے میل کرے یا طلاق دیکر اس کے عرصۂ حیات کو وسیع بنائے۔

کیا عورت بھی ترکہ ہے؟

اسلام کے قبل عرب میں یہ بیہودہ رواج تھا کہ جب کوئی مرجاتا تھا تو جو اس کا وارث ہوتا تھا اس کی بیوہ بیوی کے سر پر کپڑا اوڑھا کر پہلے ہی شوہر کے مہر پر اس کو اپنی بیوی بنالیتا تھا یا اس کا دوسرے شخص سے نکاح کردیتا تھا اور جس مہر کی حقدار وہ تھی اس

پر خود صاحب اختیار ہوجاتا تھا۔ یہ ایک عجب طرح کا تسلط و اقتدار تھا جو مرنے والے کی بیوی پر وارث کو حاصل ہوتا تھا۔ اس کو یہ حق بھی عرب کی جہالت نے دے رکھا تھا کہ وہ عورت کو مقید کردے اور اگر وہ چھٹکارا پانا چاہے تو جو کچھ ترکہ اس کو اپنے شوہر سے ملا ہے۔ وارث کے حوالے کرے اور یوم نجات منائے ورنہ قید میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کردے اور یوں بھی سارا مال وہی وارث پائے۔ اسلام آیا اور اس کے ابتدائی دور میں بھی یہ قاعدہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ابوقیس انصاری کی موت اس جاہلانہ قانون کی برطرفی کا وسیلہ بنی اس کا قصہ یوں ہے کہ اس کا پیمانہ عمر لبریز ہوا اور اس کی بیوی ''کبیشہ'' اس احمقانہ رواج کی زد میں آئی۔ ابوقیس کا ایک لڑکا ایک اور زوجہ سے تھا وہ اپنی سوتیلی ماں کے آفت رسیدہ سر پر رداء تعدی اوڑھا کر اپنے تصرف میں لایا۔ اور شدائد کرنے لگا بیچاری کہاں تک ستم سہتی آکر سرچشمہ رحمت کی خدمت بابرکت میں فریادی پہونچی آپ نے حالات سنے اور فرمایا کہ واپس جا میں حکم خدا کا منتظر ہوں جو کچھ وحی آئے گی تجھ کو مطلع کیا جائے گا۔

یہ خبر مدینے میں پھیل گئی اور دوسرے دن بہت سی عورتیں جو اس رسم قبیح کا شکار تھیں فریادی بن کر حاضر ہوئیں اس وقت مالک تکوین نے حکیم عرب کے پاس یہ حکم ارسال کیا کہ اے اہل ایمان تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے مورث کی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور زبردستی ان سے نکاح کرلو تم اس کے مال کے وارث ہوسکتے ہو نہ ازواج کے میں ان پر نہ تم کو کوئی حق ہے نہ اختیار دیکھئے سورۂ نساء میں یہ حکم یوں آتا ہے۔ (یاَ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْھًا) اس کے بعد یہ حکم ہوتا ہے کہ تم کو یہ حق نہیں کہ ان کو دوسرے سے نکاح نہ کرنے دو تاکہ شوہر کے ترکے سے جو کچھ ان کو حق پہونچتا ہے اس میں سے کچھ دبالو (وَلاَ تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ) اس کے بعد یہ تاکید کی جاتی ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ) یعنی مرنے والے کی بیبیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

دورِ جاھلیت کی ایک اور رسم

اسی طرح زمانہ جاہلیت کی ایک اور رسم یہ تھی کہ اگر کسی کا دل کسی اور عورت سے نکاح کی طرف مائل ہوا تو اس نے اپنی نامرغوب بیوی کو زنا کی تہمت لگائی تاکہ جو مال اس کو بصورت مہر دے دیا ہے وہ اس کے پاس پھر یوں واپس ہوکر آجائے کہ وہ بے چاری اس جرم کے فدیہ میں سب مال دے دے اور دوسری مرغوب بیوی کا مہر ادا کیا جاسکے اور مہر نہیں دیا ہے تو اپنے کو اس دین سے یوں سبکدوش کرلیتا تھا کہ وہ اسی جرم کی پاداش میں سوخت ہوگیا اور جب سوخت ہوگیا تو اس کو آسانی سے طلاق دیدی اور دوسری سے اپنا کام بنایا۔ اسلام نے اس منحوس رواج کو توڑا اور یہ قانون بنایا کہ اگر واقعی وہ ارتکاب فواحش کریں تو تم ان کو نقصان پہونچا سکتے ہو ورنہ تم اس مال عظیم کو جو بصورت مہر دیا گیا ذرا بھی واپس نہیں لے سکتے اور نہ مہر کو تہمت لگا کر سوخت کرسکتے سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے (وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَاراً فَلاَ تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْاً اَتَاْخُذُوْنَہٗ بُھْتَاناً وَّ اِثْماً مُبِیْناً وَکَیْفَ تَاْخُذُوْنَہٗ وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْکُمْ مِّیْثَاقاً غَلِیْظاً) اگر تم ایک زوجہ کی جگہ دوسری زوجہ کرنا چاہتے ہو تو تم کو اس کا اختیار ہے کہ مہر دے دو اور طلاق دیکر دوسری کرلو لیکن جو مال کثیر بصورت مہر تم اس کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ لینا گناہ عظیم ہے کیونکہ بہتان لگا کر لینا ظلم صریح ہے کیا تمہاری غیرت اس کی متقاضی ہے کہ تہمت لگا کر اور جرم صریح کا بہتان باندھ کر واپس لے لو خصوصاً جب کہ تم باہم خلوت کرچکے ہو اور وہ تم سے نکاح کے وقت نفقہ وغیرہ کا پکا اقرار لے چکی ہے تو پھر تم اس مال کو کیونکر لے سکتے ہو۔

یہ ہے اسلامی انصاف اور حقوق کی نگہداشت جس نے **(عاشروھن باالمعروف)** کا حکم دے کر عورتوں کے حقوق کو محفوظ کردیا اور ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کا حکم دیا۔

عورت کے متعلق قدیم یورپ کا نظریہ

یہ تو عرب کے دورِ جاہلیّت کی سرگزشت تھی آیئے ذرا یورپ کہ سیر کریں اور عورت کی منزل کا پتہ لگائیں شاید جہاں آج تہذیب وتمدن کا چراغ روشن ہے وہاں عہد قدیم میں بھی کچھ روشن خیالیاں رہی ہوں۔

مسیحیین کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔

مرد کے واسطے گناہ کی تحریک کا سرچشمہ اور دروازۂ جہنم ہے۔تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔اس کے لئے کچھ اور برائی کے اثبات کی ضرورت نہیں اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک اور بد ہونے کے لئے کافی ہے اس کو اپنے حسن وجمال پر شرمانا چاہئے کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے وہ اس قدر گناہوں سے آلودہ ہے کہ اس کو دائماً کنارہ کرنا چاہئے ۔ وہ دنیا اور دنیاوالوں پر لعنت اور مصیبت لائی ہے ۔ ترتولیاں جو کہ مسیحیین کا پیشواہوا ہے عورت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔وہ شجرِ ممنوع کی طرف لیجانے والی ہے۔خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے۔کرائی سوسٹم جو کہ مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے۔

ایک ناگزیر برائی ایک پیدائشی وسوسہ،ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ،ایک غارت گر دلربا،ایک آراستہ مصیبت۔

ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ مرد وعورت کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل احتراز چیز ہے خواہ وہ نکاح ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجرد و دوشیزگی معیار اخلاق قرار پائی اور تاہل کی زندگی پست اور ذلیل سمجھی جانے لگی لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو تقویٰ تقدس اور بلندی اخلاق سمجھنے لگے پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کے واسطے یہ ضروری ہوگیا کہ یا تو آدمی نکاح ہی نہ کرے اور اگر کرلیا ہو تو میاں بیوی زن وشوئی تعلق نہ رکھیں۔ یہ قوانین بنائے گئے کہ چرچ کے اہلکار اور صاحبان منصب اپنی بیویوں سے تخلیہ میں نہ ملیں ہمیشہ یہ ملاقات کھلی جگہ میں ہو اور کم از کم دو غیر آدمی وہاں ہوں ۔ یہ بھی ایک قاعدہ تھا کہ جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے پہلے کی رات جن میاں بیوی نے ایک جگہ بسر کی ہو وہ تہوار میں شریک نہیں ہوسکتے گویا انھوں نے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے آلودہ ہونے کے بعد وہ کسی مقدس کام میں عملی حصہ لینے کے قابل نہیں رہ گئے ۔ اس راہبانہ تصور نے تمام خاندانی تعلقات کو حتیٰ کہ ماں اور بیٹے کے تعلق کو تلخ کر دیا۔اور وہ ہر رشتہ گندگی اور گناہ بن کر رہ گیا جو نکاح کا نتیجہ ہو۔

یہ تھے مسیحی شریعت کے قوانین ۔ معاشی حیثیت سے عورت کو بالکل بے بس کر کے مرد کے قابو میں دے دیا گیا تھا وہ خود اپنی محنت کی کمائی پر صاحب اختیار نہ تھی اس کی ہر چیز کا مالک اس کا شوہر تھا۔وراثت میں اس کے حقوق عرب کے دورِ جاہلیت سے ملتے جلتے تھے اور بے حد محدود تھے۔اس کو طلاق یا خلع کی بالکل اجازت نہ تھی جس قدر بھی باہمی اختلافات رونما ہوا کریں اور روز کے جھگڑوں کی وجہ سے گھر جہنم ہی کیوں نہ ہو رہا ہو لیکن قانونِ حکومت بھی ان دونوں کو جدا ہونے سے روکتا تھا اور قانون شریعت بھی۔اگر حالات زیادہ بد سے بدتر ہوئے تو اتنی اجازت تھی کہ دونوں الگ ہوکر زندگی گذاریں۔نکاح ثانی کی اجازت نہ مرد کو تھی نہ عورت کو۔اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو کس قدر غلط حکم تھا بلکہ پہلی صورت اچھی تھی کہ ایک دوسرے سے بندھے رہیں کیونکہ علٰحدگی اختیار کرنے کے بعد اب صرف یہی چارہ کار رہ گیا کہ دونوں راہب وراہبہ بن جائیں یا پھر تمام عمر بدکاری کرتے رہیں ۔ ایک اور ناموزوں اور ناہموار طریقہ یہ تھا کہ شوہر کے مرجانے کی صورت میں عورت کے لئے اور زوجہ کے انتقال کے بعد شوہر کے لئے نکاح ثانی ناقابلِ عفو گناہ تھا۔

وہ لوگ اس کے مذموم ہونے کی یہ وجہ بیان کرتے تھے

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۸ پر..........)

ایران کے صدارتی انتخاب میں ڈاکٹرحسن روحانی ایک بار پھر کامیاب

نیوز ایجنسی ابنا کے مطابق اسلامی جمہوریہ ایران کے وزیر داخلہ رحمانی فضلی نے ۲۱رمئی ۲۰۱۷ء کو قبل انتخابی نتائج کا اعلان کرتے ہوئے صدر مملکت حجت الاسلام والمسلمین ڈاکٹرحسن روحانی کی کامیابی کا اعلان کیا۔
اس سے قبل بھی حجت الاسلام والمسلمین ڈاکٹرحسن روحانی ایران کے صدر کے عہدے کے فرائض اپنی دور اندیشی اور مکمل صلاحیت کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ڈاکٹرحسن روحانی کی دوبارہ اس عظیم الشان کامیابی پر ایران میں جشن کا ماحول ہے۔ایرانی عوام اور خواص اس کامیابی پر ڈاکٹرحسن روحانی کو ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لئے جوق در جوق ان سے ملاقات کررہے ہیں۔
وزیر داخلہ رحمانی فضلی کے مطابق ۱۲ ویں صدارتی انتخابات میں موجودہ صدر ڈاکٹرحسن روحانی 41 ملین 2 لاکھ 20 ہزار 131 ووٹوں میں سے 23 ملین 5 لاکھ 49 ہزار 616 ووٹ حاصل کرکے مزید چار سال کیلئے ایران کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔
دوسرے صدارتی امیدواروں میں سے سید ابراہیم رئیسی 15 ملین 7 لاکھ 86 ہزار 449 ووٹوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر جبکہ سید مصطفی میر سلیم چار لاکھ 78 ہزار 215 ووٹ حاصل کرکے تیسرے اور سید مصطفی ہاشمی دو لاکھ 15 ہزار 450 ووٹ حاصل کرکے چوتھے نمبر پر رہے۔
سرکاری اطلاعات کے مطابق، 12 ویں صدارتی انتخابات میں عوامی شرکت 72.7 فیصد رہی۔
واضح رہے کہ موجودہ صدر ڈاکٹرحسن روحانی نے 2013 میں ہونے والے 11 ویں صدارتی انتخابات میں ایک کروڑ 83 لاکھ 13 ہزار 629 ووٹ حاصل کئے تھے۔

(صفحہ ۳۰ کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

کہ نکاح ثانی دراصل نکاح نہیں ہے۔نکاح تو بس نکاح اول ہے اور دوسرا عقد ایک قسم کی مہذب زنا کاری ہے اس لئے عوام کے لئے عموماً اور مذہبی کارکنوں کے لئے خصوصاً یہ نکاح ایک ناقابلِ تلافی جرم تھا اور کسی حال میں اس کی اجازت نہ تھی۔ مسیحیین کے ان عقائد و خیالات پر نظر کرنے کے بعد اگر یہ دیکھا جائے کہ مذہب اسلام نے عورت کو کیا حقوق دیئے ہیں اور کن مقامات پر صاحب اختیار کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عورت کو جو درجہ دیا ہے وہ کسی دین و مذہب نے نہیں دیا جس کا ثبوت آئندہ مل جائے گا۔ (جاری۔۔۔۔۔)